

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ  
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

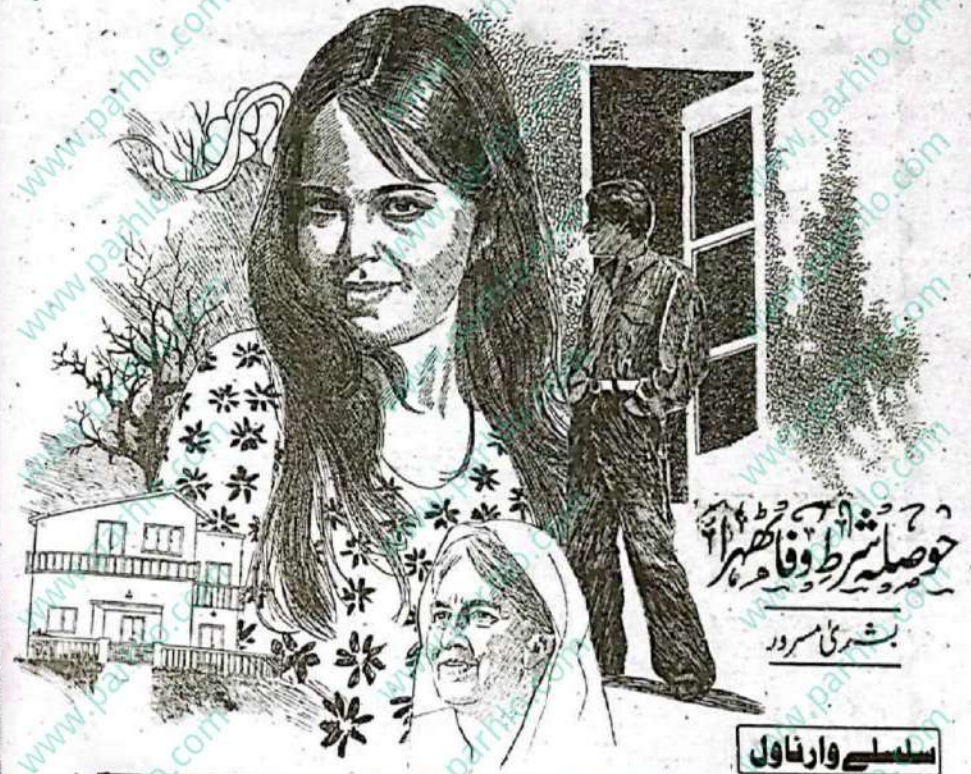
اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راہٹرز کے لئے آفر  
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ  
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے  
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM





### محبت، وفا، الفت کی آزمائش کے متقی سبھی ایک دل نہیں تھیرے

آزمائش محبت کی اور حوصلہ وفاداری کے لیے بنیادی شرط ہے، پیار کی کندن راہوں اور الفت کے خاردار راستوں پر چلتے ہوئے وفا کی منزلوں کو سر کرنا، اور محبت کی معراج تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ انسان کو قدم قدم پر اپنا حوصلہ آزمانا پڑتا ہے، آزمائش کے تہتے ہوئے ریگ زاروں سے گزرنے کے دوران اگر حوصلہ ہی ساتھ چھوڑ جائے تو لوگ مزبھی جاتے ہیں لیکن کچھ خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اگر مزبھی جائیں تو ان سے وابستہ تعلق اور رشتے ان کے بعد بھی سلامت رہتے ہیں اور کچھ حرماں نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو اپنی زندگی میں ہی رشتوں کو مرنے، بدلتا اور پرایا ہونے دیکھتے ہیں اور مضبوط تعلق جب کچھ دھاگے میں پروئی ہوئی مالا کی طرح ٹوٹتا ہے تو لوگ بظاہر مرنے تو نہیں مگر زندہ بھی نہیں رہتے، بس اپنے ان کہے دکھوں کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھاتے، کسی بے جان لاشے یا کسی بے چین روح کی طرح ہمارے ارد گرد بھٹکتے پھرتے ہیں بظاہر تو وہ عام لوگوں کی طرح ہنستے ہیں مسکراتے ہیں، خوش دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم ان کی زندگی کی چمک سے محروم آنکھوں کے باوجود اور ان کے مصنوعی بلند قہقروں کے باعث ان جیتی جاگتی، چلتی پھرتی زندہ لاشوں نما لوگوں کو پہچان نہیں پاتے، اور اگر پہچان بھی لیں تو ان کے بے روح وجود میں دوبارہ زندگی کی رعنائیاں بھرنے سے قاصر رہتے ہیں، اور جو ایسا کر جائیں تو وہی دراصل محبتوں کو امر کرنے اور امر ہونے کا ہنر جانتے ہیں۔



## گزشتہ اقساط کا خلاصہ

بدرالدین ایک کامیاب بزنس مین اور شہر کی معزز شخصیت ہیں، ان کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کی دو بیٹیاں عارفہ اور عائشہ ہیں جو اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہیں۔ بدرالدین کی بیٹی آسہ بی بی بے حد خوب صورت ہیں مگر سیرت کے لحاظ سے اتنی ہی بد صورت اپنی زبان و آواز اور لباس و تندوں اور شوہر سے بدسلوکی کی وجہ سے انہیں طلاق ہو جاتی ہے۔ بدرالدین کی تین بیٹیاں زونا، زونہ، ازنا اور مرہا ہیں، زونا ان کے سب سے بڑی بیکہ ازنا اور مرہا جڑواں ہیں۔ بیٹیوں کی پیدائش سے بھی آسہ بیکہ خوش نہیں تھیں۔ انہیں اپنے کو ختم دینے کی آرزو تھی۔ ازنا اور مرہا کی پیدائش کے بعد ازنا کو زونہ نے بتا دیا کہ اندرونی جھگڑا کی وجہ سے آسہ بی بی اب بھی ماں نہیں بن سکتیں۔ اس کے بعد سے آسہ بی بی کا فیصلہ ہو گیا کہ وہ ایک سال بچہ پیدا کرے اور بدرالدین کو گھر والوں سے چھڑوانے کے لیے جا دوڑنے کا سہارا لے لیتی ہیں۔ انہی حالات میں بچیاں جوان ہو گئیں۔ بچیاں بھی ماں کی حرکتیں دیکھتی تھیں مگر خاموش تھیں کیونکہ ماں تو اس ہوتی ہے۔ طلاق کے بعد زونا، ازنا اور مرہا کو باپ کے پاس رہنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ زونا سے انچڑھی سو وہ ماں کے ساتھ ماموں کے گھر چلی گئی۔ البتہ اپنے والد بدرالدین اور بہنوں سے ملنے آتی رہتی۔ بدرالدین نے خامی جاندا اور بینک بیلنس آسہ بی بی کو دیا تھا۔ اس کے علاوہ مرہا کی تعلیم و دیگر اخراجات کے لیے وہ ہر ماہ بھاری رقم خرچ کے نام پر بھی باقاعدگی سے ادا کر رہے تھے۔ مرہا کی ممانی حسن شاہانہ نے حد شاطر و مکار تھیں۔ ویسے تو انہیں آسہ بی بی اور مرہا کی مستقل اسے گھر آکر بالکل پسند نہیں آتی تھی مگر جلد ہی انہیں اعزاء ہو گیا کہ ان کی شکل میں تو دراصل ان کی لائبرٹی نظر آتی ہے اور کبھی خود چل کر ان کے گھر رہنے آگئی ہے تو ہر ہونہ سے بھی اپنے بچے اندر کر لیے اور خوش اخلاقی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ عارفہ بچہ کا بیٹا عارف، مرہا کو پسند کرتا ہے وہ اکثر مرہا کے ماموں کے گھر ان دونوں سے ملنے چلا آتا ہے۔ لیکن جب عارفہ خاتون کو پتا چلتا ہے تو وہ عارفہ کو ہال جانا پسند نہیں کرتیں ویسے بھی وہ زونا، ازنا اور عارفہ کی دلہن بنا کر اپنی بہو کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں اور زونا، ازنا بھی عارفہ کو دل و جان سے پسند کرتی ہے۔ عارفہ، بدرالدین کے بچے سے تیسرے بچے میں رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک عارفہ کی طبیعت کا شادی شہر کے ویل سیلڈ گھرانوں میں ہوتا تھا مگر اس کے قادر کی ڈسجھ کے بعد ان کا بزنس پہلے جیسا نہیں رہا تھا اور نتیجتاً عارفہ کو جواب کرنی پڑی۔ اس سے پہلے عارفہ، ازنا اور مرہا کا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہے۔ یہ بھی حسن اتفاق کہ عارفہ ممانی حسن کا بھانجا لگتا ہے مگر حسن ممانی اس بات سے ناواقف ہیں کہ مرہا اور عارفہ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں۔ ممانی تو عارفہ سے مرہا کے رشتے کا سوچ رہی تھیں تاکہ دولت کی دیوی ہمیشہ ان کے ہاتھ میں نہ رہے۔ مگر دوسری طرف عارفہ کا بھنگاؤ مرہا کی جانب بھی وہ عیس کر چکی تھیں۔ بدرالدین کی بہنوں کو ایک بار پھر بھائی کے سر پر سہرا سجانے کا ارمان ہے تاکہ وہ اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی کے صدمے سے نکل کر نئی زندگی شروع کر سکیں۔ عارفہ مل کلاس بلٹے کی ڈن، بڑی لکھی اور کبھی ہوتی شخصیت کی مالک عامی شکل صورت کی لڑکی ہے۔ وہ ایک پرائیویٹ فرم میں ایچ پی او پوسٹ پر ہے مگر ہفتیس سال کی ہونے کے باوجود اس کا رشتہ نہیں ہو سکا۔ اسی ازدواجی سے انتہا پریشان رہتی ہیں۔ اتفاق سے بدرالدین کا رشتہ حاجرہ کے لیے آتا ہے اور دونوں جانب سے قبول بھی کر لیا جاتا ہے۔ اور عارفہ خاتون، عارفہ خاتون کے ہمراہ آکر حاجرہ کو انگوٹھی پہنا جاتی ہیں۔ بدرالدین، عارفہ کو بتاتے ہیں کہ حاجرہ ان کے پاس گاڑی خریدنے آئی تھیں۔ عارفہ کے پوچھنے پر وہ بتاتے ہیں کہ حاجرہ کے انداز و اطوار میں خود احمدی بھی جو عام خواتین سے الگ تھی۔ بدرالدین، عارفہ سے کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں پہلے بچوں سے بات کریں۔ عارفہ بہت دیر تک مرہا کے بارے میں سوچتا ہے کہ شاید اسے مرہا سے محبت ہوئی ہے۔ زونا، ازنا، مرہا کی بات سے یہ اندازہ کرتی ہے کہ شاید وہ اس کے لیے عارفہ کا رشتہ لاری ہیں زونا، ازنا، مرہا کے حضور دعا کرتی ہے کہ عارفہ اس کا نصیب ہو جائے۔ ممانی، ماموں پر یہ خیال ظاہر کرتی ہیں کہ شاید مرہا اور عارفہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن ماموں کہتے ہیں کہ آپا اپنی منہ کے گھر رشتہ نہیں کریں گی۔ اس لیے اگر ایسی کوئی بات ہے تو عارفہ کو گھر آنے سے منع کر دو۔ عارفہ مرہا پر اپنی پسندیدگی ظاہر کرتا ہے تو مرہا کہتی ہے کہ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ ازنا کو رات کو فون پر بات کرتے دیکھ کر زونا، ازنا، مرہا پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ میری دوست کا فون ہے۔ آسہ بی بی، بدرالدین کو گھر سے کی مبارک یاد کا پیج کرتی ہیں وہ پیج دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ عارفہ اور عارفہ بچہ بدرالدین کی شادی کی بات کرتی ہیں تو مرہا کہتی ہے کہ میں اپنی ماں کی جگہ کی کوئیں دے سکتی۔ زونا، ازنا اور ازنا کہتی ہیں کہ اگر آپا ایسا چاہتے ہیں تو تمہیک سے زونا، ازنا، مرہا کی شادی کے حق میں دیکھ کر عارفہ، حاجرہ کے گھر والوں کو پیٹنے کی شام چائے پر مدعو کرتی ہیں۔ مرہا اپنی ماما اور ممانی کو پاپا کی دوسری شادی کے بارے میں بتاتی ہے کہ اس کی اپنی دونوں بیٹیاں بھی راضی ہیں مگر وہ

## حوصلہ شرط وفا نہ ہوا

خود اس کے لیے راضی نہیں ہے۔ وہ آسہ بی بی کو لکھتی رہتی ہے کہ وہ ایسا کچھ نہیں ہونے دے گی جس سے انہیں تکلیف پہنچے۔ مرہا، عارفہ سے اپنے پاپا کی شادی کے متعلق بات کرتی ہے تو وہ کہتا ہے طلاق کے بعد جو عرصہ میں بہت مسائل ہو جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ میری تم سے شادی کے بعد کوئی خاندان میں ایک حیثیت مل جائے گی تو مرہا اسے اجازت دیتی ہے کہ وہ عارفہ بچے سے اپنی اور اس کی شادی کی بات کرے۔ ازنا، عارفہ سے ملنے جاتی ہے۔ حاجرہ کے گھر والے بدرالدین کا گھر دیکھ کر بہت مطمئن اور خوش ہوتے ہیں۔ مرہا سوچتی ہے کہ ایک بار حاجرہ سے مل کر دیکھوں کیا خبر وہ میرے بچے سے شادی کا ارادہ ترک کر دیں۔ ازنا، عارفہ کا دیا ہوا بریسلٹ دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہے۔ گھر میں عارفہ بچہ اور عارفہ بچہ، پاپا کے امام ضامن باغیچہ ہیں۔ ماموں، آسہ بی بی کو سمجھاتے ہیں کہ وہ بچہ تانے کے بجائے حالات سے سمجھتا کریں۔ حاجرہ کو امام ضامن باغیچہ ہیں۔ مرہا، حاجرہ کے آفس کال کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ شادی کی چھٹیوں پر ہے۔ عارفہ، مرہا کو سمجھاتا ہے کہ شادی کرنا اس کے پاپا کا شری حق ہے اور اگر وہ ایک بیٹی کے طور پر اپنی ماں کے لیے سوچ رہی ہے تو پاپا کے لیے بھی سوچے۔ آسہ بی بی، بدرالدین کو پیج کرتی ہیں تو وہ پڑھ کر الجھ جاتے ہیں۔ عارفہ اپنی ماں سے مرہا کے لیے بات کرتا ہے تو وہ اسے بتاتی ہیں کہ انہوں نے زونا سے اس کی معافی طے کر دی ہے۔ عارفہ اصرار کرتا ہے کہ مرہا بھی تو ماموں کی بی بی ہے، وہ آسہ بی بی کے پاس کا رشتہ لے کر جائیں۔ بدرالدین، حاجرہ سے فون پر بات کرتے ہیں اور حاجرہ کے خیالات جان کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مرہا، عارفہ کو فون کرتی ہے تو وہ فون پک نہیں کرتا۔ آفس کے نمبر پر فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ دس دن کی چھٹی پر ہے۔ عارفہ، عارفہ کو ہوتی ہے۔ عارفہ، ازنا کو بتاتا ہے کہ وہ حسنہ خاتون کی مرہا سے بات ہوئی اور اس نے اسے سمجھایا ہے تو ازنا، عارفہ پر شک کرتی ہے۔ حسنہ، آسہ سے کہتی ہیں کہ بدرالدین کی شادی رکوانے کے لیے اسی عالمہ کے پاس جائیں اور وہ خود ان کے ساتھ عالمہ کے پاس جاتی ہیں۔ عارفہ اپنے فون سے عارفہ کے نمبر پر کال کرتی ہیں تو کال انڈیو نہیں ہوتی پھر وہ آفس فون کرتی ہیں تو عارفہ کی چھٹی کا پتا چلتا ہے۔ بالآخر وہ عارفہ اور ان کے شوہر فیصل کو اپنے گھر بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کی سمجھ نہیں آ رہا کہ جس طرح بدرالدین کو عارفہ کے بارے میں بتائیں۔ بدرالدین کا فون آتا ہے تو عارفہ ان کو بھین کے پیار ہونے کا بتاتی ہیں۔ ازنا کی شکل کے بعد عارفہ دوران ڈیوٹی بھی ٹھیک کام نہیں کر پا رہا تھا تو سب سے نکال دیتے ہیں۔ عارفہ وہاں سے نکل ہی رہا ہوتا ہے کہ کوئی اسے پیچھے سے پکارتا ہے اور وہ دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ عارفہ کے شوہر سے پکار کر، بدرالدین کو بتاتی ہیں کہ عارفہ اپنے کسی دوست کے والد کی طبیعت کی وجہ سے پشاور میں ہے اس لیے معافی کی تقریب ملتوی کرنی پڑے گی۔ فیصل (عارفہ کے شوہر)، عارفہ کا پتا کرنے مرہا کے ماموں کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ عارفہ وہاں آ جاتا ہے اور عارفہ بچے کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتیں۔ عارفہ بیکہ مرہا کے لیے بدرالدین سے بات کرنے پر راضی ہو جاتی ہیں۔ زونا، ازنا، مرہا کی ملتی ہونے پر بہت ڈسٹرب تھی۔ عارفہ، مرہا کو بتاتا ہے کہ عارفہ بیکہ مرہا اور عارفہ کے رشتے کی بات پہلے بدرالدین سے کریں گی اور پھر آسہ بیکہ سے۔ عارفہ کے شوہر فیصل، امجد کے گھر پہنچ کر اپنی ساری ہمدردیاں آسہ کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ فیصل کچھ پیے دیتے ہیں تو آسہ لینے سے انکار کر دیتی ہیں لیکن حسنہ شاہانہ وہ پیے لینے پر اصرار کرتی ہیں تو فیصل، آسہ کے ہاتھ پر پیے دکھ دیتے ہیں۔ حسنہ، امجد کی نوکری کے لیے فیصل سے بات کرتی ہیں۔ عارفہ اپنے بچپن کے دوست طلال کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے، وہ کینیڈا سے پاکستان آکر اپنا فوڈ بیزنس کا بزنس سٹ کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ عارفہ کو سب بتا کر اسے اپنے کاروبار میں شریک کر دیتا ہے۔ ازنا نے سوچا تھا کہ عارفہ اسے منائے گا لیکن عارفہ نے تو کوئی رابطہ ہی نہیں کیا تھا۔ ازنا بہت پریشان ہوتی ہے۔ بدرالدین کی ہمارت جانے کے لیے تیار تھی۔ وہیں عارفہ، زونا، ازنا سے مغفرت کرتا ہے۔

## اب آگے بڑھیں

### قسط نمبر 10

شادی ہال پہنچنے پر دلہن والوں نے بارات کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور ان پر ..... پھولوں کی چٹان چھوڑ دی گئیں۔ اسی اثنا میں کہیں سے اچانک ایک ڈھول پارٹی نمودار ہوئی اور انہوں نے بڑے سے ڈھول کی قہقہہ پر بھنگڑے ڈالنے شروع کر دیے۔

ازنا اور زونا، ازنا نے دیکھا کہ ان کی دونوں بھوپیاں باجھیں کھلائے ان کے ڈیلری پر سے ایسے لوٹ واری



تیس اور خوشی کا اظہار کر رہی تھیں جیسے یہ ان کے اکلوتے بھائی کی پہلی شادی ہو اور اس لئے اپنی خوشیوں میں مگن ہو کر کچھ دیر کے لیے انہوں نے سمجھتیوں کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ زیادہ حیرت تو زونا نشہ اور ازنا کو اس وقت ہوئی جب انہوں نے قمری بیس سوٹ میں ملبوس عارف اور عشق کو بھی وصول کی تھاپ پر اپنے چند قریبی دوستوں کے ہمراہ بنگلہ اڑاتے دیکھا۔

”ہف۔۔۔۔۔ کس قدر اذیت ناک ہے یہ سب۔ کاش میں یہاں آنے کے بجائے گھر پر ہی رک گئی ہوتی تو کم از کم سب تو نہ کرنا پڑتا۔ تم سے میرے تباؤں ہی دور کرنے لگے ہیں، گھنٹا بھر سے یہاں کھڑے رہ کر۔ اور ان کے رقص ہی ختم ہونے کو نہیں آ رہے۔ لگتا ہے ہمیں کھڑے، کھڑے روز قیامت کا حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔“ ازنا نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ ہنس اُسے دیکھ کر گئی مگر ج تو یہ تھا کہ زونا نشہ کی کیفیت بھی ازنا کی کیفیت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی مگر ظاہر ہے کہ وہ بھی بے بسی تھی اور صبر و حوصلے سے یہ سب برداشت کر رہی تھی۔

آخر خدا، خدا کر کے مراد میں کی یہ وصول پارٹی اپنی مطلوبہ رقم بنورنے اور وٹلیں سیٹھنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوئی تو بارات کو شادی ہال کے اندر جانے کا موقع ملا جہاں ایک بار پھر باراتیوں پر گلاب کی پتیوں کی بارش کی گئی اور انھیں پھولوں کی مالائیں پہنائی گئیں اور پھر سب کو بڑے احترام سے جا کر رائج کے سامنے والے اصولوں پر بٹھایا گیا اور ٹھٹھے و شروبات سے تواضع کی گئی۔

بدالدین بھی اپنی دونوں بہنوں کے ہمراہ اسٹیج پر رکھے صوفے پر جا بیٹھے اور یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگے مگر درحقیقت وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کے سامنے میز پر جس سے لبریز گلاس ان کی توجہ کا طالب تھا مگر وہ اپنے خیالوں میں مگن تھے۔

ازنا کچھ دیر تک تو سب کے ہمراہ وہیں صوفے پر بیٹھی رہی مگر پھر سلیٹی لینے اور پکچر بنانے کا بہانہ کر کے وہاں سے لٹک لی گئی اور جاتے ہوئے زونا نشہ کا ہاتھ تمام کمرے بھی اپنے ہمراہ لے کر لے گیا تھا۔ پکچر بنانے کا تو محض بہانہ تھا اور اصل وہ اس ساری پچویشن میں اپنے اندر کھن محسوس کر رہی تھی اور کچھ دیر کے لیے سب سے الگ تھلگ ہو کر خود کو جتنی طور پر سکون اور نائل کرنا چاہتی تھی۔

اگرچہ سب کچھ اچانک سے تو نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ پچھلے کئی دنوں سے گھر میں پایا پا کی شادی کا تذکرہ چل رہا تھا اور شادی کے حوالے سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس لیے ازنا اور زونا نشہ ذہنی طور پر اپنے والد کی شادی میں شرکت اور ان کی نئی بیوی کو خوش آمدید کرنے کے لیے تیار بھی تھیں مگر عین اس وقت جب نکاح شروع ہونے والا تھا تو ازنا کو ایسا لگا۔۔۔ جیسے وہ پایا کو مبارک باد نہیں دے سکے گی۔ اس کے طلق میں اس تصور سے ہی آنسوؤں کا ٹھیکین گولا سا چھینٹے لگا تھا کہ وہ پایا کو کسی غیر عورت کا ہونے پر مبارک باد پیش کرے گی اور اپنی ماما کے علاوہ کسی دوسری عورت کو ان کے پہلو میں بیٹھا دیکھے گی۔ یہ سب برداشت کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔

اس سے پہلے اس نے اپنی اسکول فرینڈز کے بہن، بھائیوں کی شادیوں میں اور دیگر رشتے داروں کی تقریبات میں کئی بار شرکت کی تھی مگر آج اپنے پایا کی شادی کا یہ فنکشن انیڈر کرنا مشکل ترین مرحلہ تھا۔ ایک عجیب سی آزدگی اور ایک خوف نے اچانک اسے آلیا تھا۔ شاید یہ ”پاپا“ کے چھین جانے کا خوف تھا یا کچھ اور۔ وہ اپنی کیفیت خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی حالانکہ اسے پورا یقین تھا کہ کوئی دوسری عورت، پایا کو ان سے نہیں چھین سکتی۔ اس کے باوجود وہ چاہ رہا تھا کہ اتنا جیج کر دے کہ اس ہال میں اس کے آنسوؤں سے سیلاب آ جائے یا پھر وہ کسی فلمی ولن کی طرح زوردار آواز میں بڑھک لگائے کہ ”یہ شادی نہیں ہو سکتی“ مگر افسوس کہ وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے ایک انجانے طوفان کو سینے میں چھپائے خاموش تھی۔

ازنا نے دزدیدہ نظروں سے زونا نشہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی کچھ خاموش اور بھیجی، کچھ سی محسوس ہوئی۔ شاید وہ بھی اسی کی طرح انجانے خدشات کو اپنے اندر چھپائے، بے چین تھی مگر ظاہر اس کا انداز ظہر اٹھ رہا تھا۔ یونہی دو چار تصویریں بنانے کے بعد دونوں واپس اپنی جگہ پر جانے کے بجائے ہال کے ایک طرف آخری کونے میں الگ تھلگ پڑے ایک صوفے پر جا بیٹھیں اور وہاں سے سب کا جائزہ لینے لگیں۔

”مجھے تو آج مر چا کی بہت یاد آ رہی ہیں۔“ ازنا نے جواباً سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔  
”اور مجھے ماما بھی بہت یاد آ رہی ہیں۔“ ازنا نے جواباً سرگوشی کی۔  
”مگر مجھے لگتا ہے کہ مر چا خوش قسمت ہے کہ اس نے ماما کا ساتھ چتا، کم از کم وہ اس اذیت سے تو نہیں گزر رہی۔ جس اذیت سے اس وقت ہم دو چار ہیں۔“ ازنا نے آہ بھرتے ہوئے دھڑکے سے کہا تو جواباً زونا نشہ نے سر جھکا لیا۔  
”ویسے شریعت کے لحاظ سے دوسری شادی کا حق تو ماما بھی رکھتی ہیں، اس اذیت سے مر چا کو بھی گزرنا پڑ سکتا ہے۔“

”اللہ نہ کرے۔۔۔۔۔“ زونا نشہ کی بات پر بے ساختہ ازنا کے منہ سے نکلا تھا۔  
”حقیقت تو یہی ہے ازنا! ہم اس سے آنکھیں نہیں چڑا سکتے۔ دیکھ لینا جو ماما جان کو کوئی اچھی آفر۔۔۔۔۔ یعنی ماما کے لیے اچھا رشتہ ملا، وہ ان کی سیکنڈ میرج میں دیر نہیں لگائیں گے۔“ زونا نشہ نے کہا تو ازنا عجیب بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

”ماما ایسا بزرگ نہیں کریں گی، وہ ہم تینوں بہنوں سے بہت پیار کرتی ہیں۔“ ازنا نے سر ہلا کر بہن کی بات سے اختلاف کیا۔

”پیار تو ہم تینوں بہنوں سے ڈیڈی بھی بہت کرتے ہیں، وہ بھی دوسری شادی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر دیکھو ہماری دونوں پھوپھیوں نے ضد کر کے آخر ان کا گھر لے لیا۔ تو ماما کو بھی ماماں اور ماماں ایک دن مجبور کروں گے کہ وہ بھی اپنا گھر بننے سے آگاہ کر لیں پھر ظاہر ہے کہ انہیں کرنا ہی پڑے گا۔“ زونا نشہ نے کہا تو ازنا تاسف سے سر ہلانے لگی۔  
”جیسے زونا نشہ کی بات سمجھ گئی ہو مگر اس بات نے اسے جیسے مزید دھکی کر دیا۔  
”یعنی بڑا تو ہم تینوں بچیاں ہوئیں، باقی دونوں ماں، باپ کے تو پھر سے گھر آباد ہو جائیں گے۔“ ازنا بولی تو اس کے اندر کی کئی لہجے میں بھی درا آئی تھی۔

”اسی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔“ زونا نشہ نے سمجھانا چاہا مگر ازنا نے بات کاٹ دی۔  
”تو پھر کیسی بات ہے۔۔۔۔۔ یعنی ہم سے تو کوئی پیار ہی نہیں کرتا۔ اگر بیٹنس میں سے کسی ایک کو بھی اپنی اولاد سے پیار ہو تو پھر وہ اولاد کی خاطر ”کمبہر ومانز“ کرتے ہیں، گھر کو جوڑ کر رکھتے ہیں، اسے توڑتے نہیں ہیں۔ کیونکہ جب والدین کا آپس میں تعلق ٹوٹتا ہے تو بچوں کے اندر بھی بہت کچھ ٹوٹ جاتا ہے آخر والدین اس بات کو سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔“ اس نے شکستہ لہجے میں زونا نشہ سے سوال کیا تو اس نے ایک نظر ازنا کے چہرے پر ڈالی جو ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے وہ اپنا ضبط کھو بیٹھے گی۔

”پلیز! خود کو سنبھالو ازنا! خواہ وہ اپنا تماشا مت بناؤ۔“ زونا نشہ نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی تو ازنا بھی موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے آنسوؤں کی تھی۔  
مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ میان، بیوی ایک دوسرے سے اتنی کی جنگ تو جیت جاتے ہیں مگر ان کے بچے، والدین کی آپس کی اس جنگ میں ماں یا باپ میں سے کسی ایک کو ہار جاتے ہیں۔ والدین کا آپس کا تعلق اور گھر ٹوٹنے کے فیصلے کے ساتھ ہی بچوں کا بچپن یا لڑکپن، ان کی آنکھوں کے بے شمار خواب، ان کی امیدیں، معصوم جذبات و احساسات، والدین سے محبت، خود اعتمادی اور شخصیت بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ



سب قبول ہے۔ لغوی معنی بے شک خوشی کے ہیں مگر عملی طور پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ”بیٹھا ہوا، کپڑا ہوا، تھوڑا سا“۔ بلکہ مرد و عورت کے لیے نکاح کی لڑی میں پروئے جانے کے بعد شادی شدہ زندگی میں جیسے بھی شیب و فراز آئیں، اپنے لائف پارٹنر کے ہمراہ ان سے گزر کر سرخرو ہونا ہی دراصل شادی شدہ جوڑے کی اصل کامیابی ہے اور یہ نکاح کے بندھن کا ہی اعجاز ہوتا ہے کہ دو مختلف مزاج افراد کے دلوں پر محبت مثل نور برقی ہے اور انہیں ایک دوسرے کے لیے اس طرح لازم و ملزوم کر دیتی ہے کہ آپس کی جدائی شاق گزرنے لگتی ہے لیکن اگر خدا خواستہ ان مہاں بیوی پر شیطان کی نظر بدکا اثر ہو تو پھر وہ آپس میں جھگڑے اور طلاق کر کر ہی دم لیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا کہ شیطان کا سب سے پسندیدہ کام میاں، بیوی میں جدائی ڈالنا اور طلاق کرانا ہے اور کسی جوڑے کی طلاق ہو جانے پر سو فیصد قصور وار ہر بار نہ تو عورت ہی ہوتی ہے اور نہ مرد پر از دوامی رشتے کی ناکامی کا پورا المیہ ڈالا جاسکتا ہے، کبھی کبھار حالات ہی ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ طلاق کو کڑوا ٹھونٹ سمجھ کر پینا پڑتا ہے اور میاں بیوی کے بیچ تاسو رینے اس تعلق کو توڑنا ہی پڑتا ہے مگر معاملہ جا ہے کچھ بھی ہو، طلاق کا مطلب یہی نکلا ہے کہ مرد و عورت دونوں میں ہی عمل مزاجی اور قوت برداشت کی کمزوری کی ضرورت موجدی۔

آج نکاح کے اس بندھن نے حاجرہ کے دل کی دنیا بدل ڈالی تھی۔ ابھی چند لمبے میٹر تو حاجرہ بنت زوالقرنین تھی اور اب نکاح کے بندھن میں بندھنے کے بعد وہی حاجرہ، بیگم سید بدرالدین عالی ہو چکی تھی۔ ولدیت سے لے کر زوجیت تک تبدیلی اسم و ذات سے لے کر نئی ذمے داریوں اور نئے حقوق و فرائض کے آنا سفر سے اختتام زیت تک عورت جانے کتنے ہی رشتوں کے مختلف رنگوں میں رنگی جاتی ہے اور ان سب کی بنیاد رشتہ ازدواج سے ہی منسلک ہونے میں ہوتی ہے۔

حاجرہ کے دل کے تمام اشیاء جن بے اب بدرالدین کے نام سے وابستہ ہو چکے تھے۔ بدرالدین جو حاجرہ کے مجازی خدا بن چکے تھے اور جنہیں پانے کی تنہا، انہیں پہلی بار ملتے ہی حاجرہ کے دل میں جا گئی تھی۔ بس ایک لمحے کے لیے اس نے اس وقت دل میں دعا مانگی تھی کہ کاش اسے بھی ایسا ہی کوئی شریک حیات ملے جو خواتین کے ساتھ ای طرح عزت و احترام سے پیش آنے کا سلیقہ رکھتا ہو، جس کا لہجہ نرم اور انداز گفتگو دلہ لہنے والا ہو، جو شخص اور با اعتماد ہو، پرورش اور روز قامت ہو، جس کی شخصیت اور اس کی عادتیں اس کی اعلیٰ نسلی اقدار کا ہوتی ہوں اور یوں بدرالدین پہلی نظر ہی میں حاجرہ کو اپنا آئینہ مل گئے تھے۔ مگر عمر کے جس حصے میں وہ حاجرہ سے ملے تھے تو انہیں دیکھ کر حاجرہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یقیناً شادی شدہ تھے اسی لیے حاجرہ نے براہ راست انہیں پانے کے لیے دعا نہیں مانگی تھی بس انہیں دیکھ کر اس کے دل میں اک خواہش جا گئی تھی کہ اسے بھی کوئی ایسا ہم سفر مل جائے تو زیت کا سفر کتنا آسان ہو، حاجرہ نے تو ان (بدرالدین) جیسا شریک زندگی پانے کی دعا کی تھی مگر اللہ تعالیٰ کے پاس یقیناً اس کی کوئی ایسی نیکی ضرور جمع تھی کہ جس کے عوض اس پاک ذات نے خود بدرالدین کو ہی کسی کے ہوئے چل کر طرح حاجرہ کی جھولی میں لا، ڈالا تھا اور حاجرہ اپنی اس خوش نصیبی پر دل سے اسے رب کی شکر گزار تھی۔ لیکن جہاں بدرالدین کو پانے کی خوشی تھی، وہیں اپنے عزیز از جان رشتوں سے چھڑنے کا غم بھی اسے لاحق تھا۔ دادی، امی، شاکر بھائی، بھابی، عافیہ اور تو اور رانی بھی..... یہی سب تو حاجرہ کی کل کائنات تھے، اب کیسے رہ پائے گی وہ ان سب کے بغیر!

اور وہ سب بھی اس کی جدائی کیسے سہہ سکیں گے۔ ابھی تو وہ سب حاجرہ کے آفس سے واپسی کے شدت سے فتنہ رہتے تھے۔ اب اگر انتظار نہیں کریں گے تو پھر کیا کریں گے سارے!

نہیں سکتے اور ساری زندگی اپنے اندر کی ٹوٹ بھوٹ کا شکار رہتے ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آتا ماں کا ساتھ دیں یا باپ کا..... وہ تو دونوں کا ساتھ دینا چاہتے ہیں مگر..... طلاق شدہ خاوند کو دوسری بیوی بھی مل جاتی ہے اور مطلقہ عورت کو دوسرا شوہر بھی میسر آ جاتا ہے اور ان دونوں کی زندگی ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھی اپنے ٹریک پر چل پڑتی ہے مگر ان کے بچے بچل کو اپنی ماں میسر آتی ہے اور نہ باپ ہی مل پاتا ہے اور وہ عمر بھر کسی ہلکے پتھر کی طرح لوگوں کی ٹھوکروں میں ہی رہتے ہیں اور بار بار یہ بات سوچتے ہیں کہ اگر اولاد سے زیادہ والدین کو اپنی انا، خند، ہٹ و دھڑی اور خود داری اتنی ہی زیادہ عزیز تھی تو پھر انہیں بچوں کو نیامی لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کم از کم وہ تو براہ نہ ہوتے.....

ایسا ہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس وقت ازنا بھی غم سے غڑھال تھی۔

”جب میں ماہیاؤں کی توپے بچوں کی خاطر، اپنی ازدواجی زندگی بھانے کے لیے ہر مشکل اور آزمائش سے گزروں گی مگر طلاق نے کرمی اپنی اولاد کو اس کرب سے دوچار نہیں کروں گی کہ جس کرب سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں۔ میں اگر اتنا کی جنگ اپنے شوہر سے ہار بھی گئی تو جیت کی ضد نہیں کروں گی کیونکہ کبھی، کبھی عورت ہار مان بھی لے تو جیت جایا کرتی ہے اپنے شوہر کی محبت اور بچوں کا مان..... آخر اپنی اولاد کے برائے فیوچر کے لیے اتنا تو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے ایک ماں کو۔“ ازنا نے دل میں خود سے عہد کیا اور ہتھیلی کی پشت سے اپنی گیلی آنکھیں پونچھ ڈالی تھیں۔

”مما اب کبھی گھر واپس نہیں آسکیں گی ناں زونی آپ؟“ ازنا نے زونا کش کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے سوال کیا حالانکہ اس سوال کا جواب تو اسے خود بھی معلوم ہی تھا۔

”ہاں..... کبھی نہیں۔“ زونا کش نے آہستگی سے کہا تھا مگر اسے خود اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

”زونی آپ! کیا آپ باپا کی نئی وائف کو بھی ماما کہو گی؟“ ازنا نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

”نہیں.....“ اس نے فوری طور پر دو ٹوک جواب دے کر اپنے ہونٹ مسخ لے لیے تھے۔

”تو پھر ہم انہیں کیا کہیں گے؟“ ازنا نے پوچھا۔

”افوہ..... کچھ بھی کہہ دیں گے۔ فی الحال یہ سوچ اسکی باتوں کے لیے مناسب نہیں۔ وہ ہم بعد میں ڈیسا بند کر لیں گے کہ انہیں کیا کہہ کر مخاطب کرنا ہوگا۔ ابھی تم اپنے ذہن کو ساری فکروں سے آزاد کر کے ریٹیکس ہو جاؤ، سمجھ لو کہ آج سے میں ہی تمہاری ماما ہوں۔“ زونا کش نے فوراً محبت سے اپنی غمزدہ چھوٹی بہن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسے تسلی دینے والے انداز میں تھپکنے لگی۔

بدرالدین کا نکاح ہو چکا تھا۔ شرکائے محفل میں بد (چھوڑا روں کی تھیلی) تقسیم کی جا رہی تھی۔ باری، باری سب لوگ اچانک براجا کر مبارک باد پیش کر رہے تھے۔

اچانک عارفہ بیگم کو بھتیجیوں کا خیال آیا تو وہ سلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

”یہ زونا کش اور ازنا کہاں چلی گئیں۔“ وہ خود کھائی کے انداز میں بڑبڑائیں۔

☆☆☆

”قبول ہے، قبول ہے..... قبول ہے.....“ ایجاب و قبولیت کے لیے ادا کیے گئے بظاہر ان تین الفاظ سے مراد نکاح کے بندھن کی قبولیت ہے مگر ان لفظوں کے اندر چھپی گہرائی اور معنویت و مقنوم سے بہت کم لوگ آشنا ہوتے ہیں۔ قبول ہے۔ مراد کہ نکاح میں آنے والی ہستی جو بھی ہے، جیسی بھی ہے، اپنی خوبیوں اور خامیوں سمیت مجھے قبول ہے اور اس کے دکھ سکھ، اس سے وابستہ رشتوں کے دکھ سکھ، زندگی کی راحتوں کے ساتھ گفتگو، خوشیوں کے ساتھ پریشانیوں، خوش حالی کے ساتھ بد حالی، صحت و تندرستی کے ساتھ بیماری و تکالیف اور پیار و محبت کے ساتھ تنگی



بہات ہا ہندیاں عائد کریں گے تم اپنی مرضی کی مالک ہوگی، جیسے چاہے رہنا۔ بھابی نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آہستہ سے رو برو لے آئیں۔  
 ”دیکھو، ماشاء اللہ سے کتنا روپ آ رہا ہے آج تم پر۔ بدر الدین تو دیکھتے ہی دل و جان سے نڈا ہو جائیں گے۔“ بھابی نے اس کر حاجرہ کے پہلو میں چٹکی بھری تو وہ شرمائے رہ گئی۔  
 ”اے لو..... میں تو تمہارے رونے دھونے میں لگ کر بھول ہی گئی کہ میں تو یہاں اپنی ٹلیٹ چل دیکھنے آئی تھی کہ جو اس خیال سے شاپر میں ڈال لائی تھی کہ اگر ہیلو (heels) سے پاؤں ٹکھنے لگے تو ٹلیٹس بہن لوں گی مگر ہاتھیں کیاں رکھ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ گاڑی سے ہی نہ نکلی ہوں۔ خیر، دوسرے میں تم سے پوچھنے آئی تھی کہ تمہارے لیے کھانا لگوادوں یا آج پر بدر الدین کے ساتھ کھاؤ گی؟“  
 بھابی نے پوچھا تو حاجرہ سوچ میں پڑ گئی۔

”بھابی نے پوچھا تو حاجرہ سوچ میں پڑ گئی۔“ حاجرہ نے شرم کر جواب دیا۔  
 ”ہوں..... میرا تو خیال ہے کہ تھوڑا بہت کھا کر سہارا ضرور کروں۔ دولہائیاں کے سامنے شرم سے تم ٹھیک طرح سے کھا نہیں پاؤ گی، میں کھانا لگواتی ہوں۔“ یہ کہہ کر بھابی کمرے سے باہر چائے لگیں اور پھر کچھ یاد آنے پر واپس مڑیں۔  
 ”آج پر دولہائیاں کے رائٹ لیفٹ ان کی دونوں بینیں کندھوں پر بیٹھے فرشتوں کی طرح مستقل طور پر ہرجان ہیں۔ تم تو ان کی موجودگی میں خروس ہو جاؤ گی، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ کھانا اچھی طرح نہیں سے پیو کر کے کھا لیتا۔“ بھابی نے پیار بھرے لہجے میں فکر مندی سے کہا تو حاجرہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔



# ماہنامہ سسوی ڈائجسٹ

## کے صفحات پر ایک نئے سلسلے کا آغاز

جنگل کا فتنہ نافذ کرنے والے انسانی تذلیل کے مرتکب درندوں سے ٹکر جانے والوں کی خونی داستان

# جنگل

امجد جاوید کے قلم سے

اپریل 2024ء کے شمارے میں

یہ بات سچ تھی کہ حاجرہ کے وجود کی اس کے گھر میں بہت اہمیت تھی۔ دادی اور امی ہر کام اسی کے مشورے سے کرتیں۔ بھابی نے اپنے لیے کوئی چھوٹی موٹی شاپنگ بھی کرنی ہوئی تو حاجرہ کو چیزوں کی خریداری کے انتخاب میں مدد کے لیے ان کے ہمراہ لازی جانا ہوتا۔ عافیہ اپنے کسی ڈریس کی ڈیزائننگ اور اسٹپنگ حاجرہ سے مشورے کے بغیر نہیں کرواتی تھی۔

شا کر بھابی اپنے آفس کے براہر تک اسی سے شیئر کرتے تھے۔ اور تو اور رانی بھی حاجرہ کے ہی گرد منڈ لاتی رہتی اور اسے نہ صرف اپنی سارے دن کی کارروائی کی رپورٹ دیا کرتی تھی بلکہ اعلیٰ حکم سے متعلق بھی اس کے پاس کافی مسائلے دار خبریں ہوا کرتی تھیں، جنہیں وہ مزید چھپا کر کے حاجرہ تک پہنچایا کرتی تھی مگر کل سے تو رانی بھی کافی اداس سی دکھائی دے رہی تھی۔ بلکہ حاجرہ کو رخصت کرنے کے خیال سے سبھی کے چہرے اترے ہوئے تھے مگر اس خیال سے کہ کہیں حاجرہ اپنا ضبط نہ کھو بیٹھے، سب نے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔

سچ کتنا مشکل کام ہے باطل کے گھر کو، اپنے پیاروں کو الوداع کہہ کر نیا گھر بسانا۔ کاش کوئی مرد ایک بار اس مرحلے کو سر کر کے تو دکھائے، اگر وہ ایسا کرے تو پھر شاید کبھی اپنی بیوی کی ناقدری نہ کرے اور ہمیشہ اسے اپنے سر آنگھوں پر بٹھائے کہ اپنا گھر بسانے کے لیے وہ اپنے شوہر سے شاوی کے بندھن میں بندھ کر باقی سارے پیار کے رشتے چھوڑ آتی ہے۔ یہ شاید سب سے پہلی اور بڑی قربانی ہے جو کوئی لڑکی گھر کو آباد کرنے کے لیے دیتی ہے۔

اپنے گھر والوں سے دور جانے کے خیال سے حاجرہ کی آنکھیں بار بار بجی رہی تھیں اور وہ اپنی انگلیوں کی حنائی پوروں کی مدد سے اپنی آنکھوں میں آنے آنگھوں کو چن رہی تھی کہ اسی وقت برائڈل روم کا دروازہ کھلا اور بھابی اندر چلی آئیں اور ادھر ادھر متلاشی نظروں سے جانے کیا تلاش کرنے لگیں۔

کچھ دیر کھڑی رہیں اور پھر جانے کے خیال سے مڑیں لیکن پھر جیسے ہی ان کی نظر روتی ہوئی حاجرہ پر پڑی تو وہ سب کچھ بھول کر اس کی طرف لپکیں۔

”ار..... دے، یہ کیا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ سارا میک اپ خراب ہو جائے گا۔ میری جان، برومٹ۔“ حاجرہ جواب دینے کے بجائے بھابی سے لگ کر اور بھی شدت سے رونے لگی۔ دل تو بھابی کا بھی بھرا آیا تھا مگر حاجرہ کو گلے دینے کے لیے خود مضبوط لازم تھا اس لیے اسے چکازنے اور پیار کرنے لگیں۔

”بھابی! آپ بہت یاد آئیں گی مجھے۔“ حاجرہ نے رندگی ہوئی آواز میں کہا۔  
 ”آپ..... آپ پر اس کریں کہ.....“ آنسوؤں کا گولا حاجرہ کے طلق میں پھنس سا گیا تبھی وہ اپنی بات مکمل کرنے کے بجائے اور بھی شدت سے آنسو بہانے لگی۔

حاجرہ اگرچہ آنسوؤں کے سچ اپنا جملہ عمل نہ کر پائی تھی مگر بھابی سمجھ گئی تھیں کہ وہ کیا کہنے والی ہے، اسی لیے اسے ساتھ لگا کر کٹلی دینے والے انداز میں چمکنے لگیں۔

”میں پر اس کرتی ہوں کہ گھر میں سب کا بے حد خیال رکھوں گی، بطور خاص دادی و امی جان کا۔ اور عافیہ کے ہمراہ اکثر چھپیں ملنے بھی آتی رہوں گی اور جب بھی تمہارا دل اداس ہوا کرے تو ہمیں کال کر دیا کرنا، میں اور تمہارے بھائی تمہیں لے آیا کریں گے اور دیکھنا بدر الدین خود بھی تمہیں ملوانے کے لیے سینکے لاتے رہیں گے۔ وہ بہت بھلے ماںس ہیں۔ پھر بھلا تم اس قدر اداس کیوں ہو پگی۔“ بھابی نے اپنی انگلی کی پور سے حاجرہ کے گالوں پر بچے آنسو چھون لیے۔

”شکر ہے کہ تمہارا میک اپ واٹر پروف ہے ورنہ تم نے تو اپنا حشر کر لینا تھا۔ چلو بس کرو یہ رونا دھونا، اسی شہر میں تو جاری ہو یا کہ..... ان شاء اللہ کیے آئی جاتی رہو گی۔ ویسے بھی کوئی لمبا چڑا اسرال تو ہے نہیں تمہارا جو بات



اسے اس لیے بھالی پر بے حد پیار آیا۔ کتنا خیال رکھ رہی تھیں وہ عاجزہ کا۔ جیسے بھالی نہ ہوں بلکہ بہن ہوں اس کی۔  
بھالی کو کچھ کچھ یاد آیا تو وہ اس کے نزدیک چلی آئیں۔  
”بدر الدین کی دونوں بیٹیاں بھی ساتھ آئی ہیں ہارانی بن کر اور سب سے الگ تھلگ کونے میں بیٹھ گھسے  
بیٹھی ہیں۔ کب سے آپس میں ہی دونوں بیٹیاں سرگوشیاں کیے جا رہی ہیں، بانی کسی اور کو تلفظ ہی نہیں کر رہیں۔“  
بھالی نے عاجزہ کی طرف قدرے جھکتے ہوئے وحشی آواز میں اطلاع دی۔

”لیکن ان کی تو تین بیٹیاں ہیں ناں، تیسری نہیں آئی؟“ عاجزہ نے چوکتے ہوئے پوچھا۔  
”نہیں، بس دو ہی آئی ہیں۔ خیر، وادی نے عافہ کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ ان سے جا کر مل جائے اور ان  
دونوں بہنوں کا ہر طرح سے خیال رکھے۔“ بھالی نے بتایا۔ ”اور میں تمہارے لیے کھانا لگواتی ہوں۔“ یہ کہتی ہوئی  
باہر چلی گئیں اور عاجزہ، بدر الدین اور ان کی بیٹیوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

”خدا جانے وہ مجھے گھر کے نئے فرد کی حیثیت سے قبول کریں گی بھی یا نہیں اور بدر الدین کس طرح سے  
گھر میں معاملات میں میرے مددگار ثابت ہوں گے، ہوں گے بھی یا نہیں۔۔۔۔۔ خیر، میں اپنے گھر صاف اور اچھی نیت  
کے ساتھ جا رہی ہوں تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔ سب اچھا ہوگا، ان شاء اللہ۔“ عاجزہ نے سوچا اور مطمئن سی  
ہو کر دوبارہ آئینے کے مقابل چلی آئی اور اپنا سراپا از سر نو جانچنے لگی۔ لائٹ پیچ اور پریل کے احتراز میں بھاری  
کاہل اغراسے اور شرٹ پر شاٹنگ پنک بیوی کا مدار دوپٹے کے ہالے میں سلیٹے سے کیے گئے نچرل میک اپ ٹون  
کے ساتھ فیس ونازک زیورات سے بھی عاجزہ نے خود کو آئینے میں دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ بھی اتنی حسین بھی لگ  
سکتی ہے، یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

ڈی ٹاکس وائٹ اور ڈائٹ پلان کے ساتھ مختلف ایکسرسائز اور ریکورڈاک کی وجہ سے وہ کافی حد تک مسلم نظر  
آ رہی تھی، اور پھر اس کے ٹیلر نے شرٹ کی کٹنگ اور اسٹیک کچھ ایسے ماہر انداز میں کی تھی کہ عاجزہ کی جسمانی  
تراش خراش کو کافی دلکش بنا دیا تھا۔ غرض یہ کہ عاجزہ دلہن بن کر حسن کی دیوی دکھائی دے رہی تھی۔  
”انشاء اللہ۔“ اس نے خود پر سے نظر ہٹاتے ہوئے کہا اور نظر بد سے بچنے کے لیے وادی کی سکھائی ہوئی  
آیات پڑھ کر خود پر دم کرنے لگی۔

☆☆☆

”ہاں ممتاز، کہاں مرگئی تھی کجنت، میں کب سے یہاں تیری ہی کال کا انتظار کر رہی تھی۔“ نعل ہوتے ہی  
آسیہ نے بے تابی سے موبائل کان سے لگا دیا اور شروع ہو گئیں۔

”اچھا۔“ کیا کہا۔۔۔۔۔ رستہ صاف ہے۔۔۔۔۔ یعنی سب گھر والے بارات لے کر جا چکے ہیں۔۔۔۔۔ اور باقی کے  
ملازم کہاں ہیں؟ تو کسی بہانے میرے آنے سے پہلے گاڑ کو گیٹ سے ہٹا دے۔ دیکھ، خبردار وہاں کسی کو بھی میری  
آمد کا پتا نہ ملے، میرا بس دو چار منٹ کا ہی کام ہے وہاں۔ بس مجھے ایک نظر آخری بار اپنا بیڈ روم دیکھنا ہے جہاں  
سب سے پہلے میں نے دلہن بن کر قدم رکھا تھا۔ آج کے بعد اس پر کسی اور کا قبضہ ہوگا۔ میرے ہی بیڈ پر میری  
”محبت“ ایک نئی دلہن کے قدموں میں ڈھیر ہوگی اور میں یہاں انگاروں پر لوٹوں گی۔“

”ہائے، اللہ نہ کرے جی۔“ ممتاز نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔ ”آپ جم، جم آئیں، یہ تو آپ کا ہی گھر ہے،  
انگاریوں پر لوٹیں آپ کے دشمن۔“  
”اچھا ٹھیک ہے، تو کچھ کی طرف سے چھوٹے گیٹ کا تالا کھول دینا، میں اُدھر سے اندر آ جاؤں گی۔“ آسیہ  
نے فون پر ممتاز کو ہدایت دی۔

”کیمروں کی تو فکر نہ کر، مجھے کیمروں سے خود کو چھپانے کا طریقہ آتا ہے۔۔۔۔۔ اور تو ہرگز فکر مند نہ ہو، تجھ پر  
کوئی آج نہیں آئے دوں گی میں۔“ آسیہ نے ممتاز کو تسلی دی کیونکہ وہ شاید ڈر بھی رہی تھی کہ اس پر کوئی ہات نہ آئے  
اور پھر اپنے آنے کا تاثر ہٹا کر کال بند کر کے فاحشہ نظروں سے پاس کھڑی حشہ بیگم کی جانب دیکھا جو بڑے غور سے  
ساری گفتگو اپنے کانوں میں اٹھیل رہی تھیں اور آسیہ سے تفصیلات جاننے کے لیے بے تاب تھیں۔  
”لو، یہی کام ہو گیا۔۔۔۔۔ میں اب نکلتی ہوں اپنی ہم پر۔۔۔۔۔ میرے لیے دعا کرنا۔“ آسیہ بی نے ہنستے ہوئے  
انہیں آنکھ ماری۔

”ہونہ۔“ تم بڑی کوئی جہاد پر چلی ہو یا کسی نیک کام کے لیے نکل رہی ہو جو تمہارے لیے دعا کی جائے، میں  
نہ کہتی ہوں کہ رکے یا حقوں پکڑی جاؤ اللہ کرے، ایسی درگت بنے کہ قیامت تک یاد رکھو، شہانہ نے یہ بات  
صرف اپنے دل میں سوچتی تھی جبکہ ان کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح منافقانہ مسکراہٹ چھٹی تھی۔

”ہاں، ان شاء اللہ سب خیر ہوگی۔ بس آپا، اچھی طرح دیکھ بھال کرو ذرا احتیاط سے جانا اور سارے تعویذات  
سنبھال کر پرس میں رکھ لیے ہیں ناں؟ یاد ہے کہ سب کیسے اور کہاں استعمال کرنے ہیں؟ اور ہاں، ایک تعویذ بوسل  
کے پانی میں بھی ڈالا تھا جس کے چھینٹے دولہا، دلہن کی بیڈ شیٹ پر ڈالے تھے، وہ بوسل لے لی؟“ شہانہ سرگوشی کے  
انداز میں رازداری سے انہیں گویا سب یاد دل رہی رہی تھیں۔

”شہانہ پر اس وقت وہ مثل صادق آتی تھی کہ“ ماں سے زیادہ چاہے، پچا پچا کٹتی کہلائے۔“  
”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں بھی، سب یاد ہے جو بھی اس معاملہ نے بتایا تھا کہ کہاں، کہاں اور کیسے رکھنے ہیں تعویذ۔“  
آسیہ نے کہا۔

”واہ آپا۔۔۔۔۔ مان گئے۔۔۔۔۔ واقعی جواب نہیں تمہاری ذہانت کا۔“ شہانہ نے آنکھیں مٹکا کر آسیہ بی کو واڈی۔  
”تو پھر میں چلتی ہوں بھالی۔“ آسیہ نے خود کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر برقع اوڑھتے ہوئے کہا۔  
”ہاں، ایک منٹ۔۔۔۔۔ اگر مرا مجھ سے پہلے گھر پہنچ گئی اور میرا پوچھا تو کیا جواب دو گی؟“ آسیہ کو اچانک  
خیال آیا تو وہ جاتے، جاتے رک گئیں۔

”کہہ دوں گی کہ شہن بھائی کے ہاں گئی ہیں۔ ویسے بھی مرا حال اپنی اسکول فرینڈ کے گھر اس کی برتھ ڈے پر گئی  
ہے، اتنی جلدی تو آئے گی نہیں۔“ شہانہ نے کہا تو آسیہ بی مطمئن ہو کر گیٹ کی جانب بڑھ گئیں جہاں جیسی پہلے  
سے ان کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

”السلام علیکم، میرا نام عافیہ ہے اور میں عاجزہ باجی کی چھوٹی بہن ہوں۔“ عافیہ نے زونا کش اور انا کو سب  
سے الگ تھلگ بیٹھے دیکھا تو ادھر چلی آئی اور ان سے اپنا تعارف کرانے لگی۔  
لڑانے جواباً عافیہ کی جانب ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ ”تو پھر ہم کیا کریں“ جبکہ زونا کش نے  
عافیہ کا معانے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

”گلیڈ ٹو میٹ یو۔“ (آپ سے مل کر خوشی ہوئی) اس نے کہا۔  
”سیم میئر۔“ عافیہ نے کرجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا۔  
”آپ دونوں یہاں اکیلے کیوں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہاں آگے آ جا میں، سب کے ساتھ۔۔۔۔۔ بلکہ میرے خیال  
میں تو آپ دونوں کو اس سچ پر جا کر دو لہا بھائی کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔“ عافیہ نے غرور سے لہجہ میں کہا۔  
”شکریہ، ہم ادھر ٹھیک ہیں فی الحال۔ دراصل میری بہن لڑنا کی طبیعت کچھ اچھی نہیں لگ رہی، اس کے سر



میں بہت دور ہے، اسی وجہ سے ہم شور شرابے والی جگہ سے اٹھ کر ادھر چلے آئے ہیں۔“ زونا کش نے بات بتائی اور ازانے اس کی غلط بیانی پر اسے گھور کے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔  
 ”اوہ..... کبھی بی بی تو (low) نہیں ہو رہا ان کا، میں کچھ کھانے پینے کے لیے لاؤں؟“  
 ”نہیں، شکر یہ اس کی ضرورت نہیں، ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔“ زونا کش نے ٹالا مگر عافیہ، ازانہ کا انتظار ہوا اور وہ کچھ بہت پریشان ہوئی مگر کچھ ہی دیر میں وہ وینٹر کے ہمراہ دوبارہ چلی آئی۔ وینٹر کے ہاتھ میں جوڑے کی اس میں منٹ بار گریٹ کے ساتھ پاسٹارکھا ہوا تھا۔  
 ”آپ تو زونا کش کو کھار کھار کر لیں، میں اتنی دیر میں کسی کو بھیج کر چین مگر منگواتی ہوں۔“  
 ”پلیز..... رہنے دیں، میں اب بہت بہتر feel کر رہی ہوں۔“ ازانہ کو کہنا ہی پڑا۔ اتنی دیر میں عارفہ بیچہ اور عائشہ بیچہ بھی ادھر ہی چلی آئیں۔  
 ”کیا ہوا ازانہ میری جان؟“ بیچہ نے اسے ساتھ لگا کر اس کی پیشانی چوم لی۔  
 ”بدر بھی مگر مند ہیں کہ بچیاں دور کیوں بیٹھی ہیں، چلو ہمارے ساتھ بیٹھو چل کر۔“ انہوں نے لاڈ سے کہا۔ اتنی دیر میں حاجرہ کی امی اور دادی بھی ازانہ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر ادھر ہی چلی آئیں اور خاصی فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔ ازانہ بہت آگورڈ ٹیل کر رہی تھی مگر اب زونا کش کا جھوٹ تو بھانا تھا اس لیے جھوٹ موٹ کی بیمار بن گئی تھی مگر اب طبیعت سنبھل جانے کا تیار ہی تھی۔ سب کے اصرار پر وہ دونوں آگے والے صوفوں پر جا بیٹھیں۔  
 کچھ ہی دیر بعد ہال کی لائٹس آف کر کے ریڈ کارپٹ پر روشنی رکھی گئی تاکہ ہال میں آنے والی دہن پر فوکس کیا جاسکے۔  
 شاکر بھائی حاجرہ کا ہاتھ تھامے، اسے ساتھ لیے ہال میں داخل ہوئے، ریڈ کارپٹ پر سب سے پہلے قدم اٹھاتی حاجرہ ہال میں سب کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ بچہ زلی جاری تھی، مودی بن رہی تھی، کیرا مین حاجرہ کے آگے پیچھے تھے۔ حاجرہ اسٹیج کے نزدیک آئی تو بدر الدین نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اور آگے بڑھ کر حاجرہ کا استقبال کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اسٹیج پر آنے میں مدد دی۔  
 ازانہ کے اندر جمن سے کچھ ٹوٹ سا گیا۔  
 آج سے قبل پاپا صرف ان تینوں بہنوں کے تھے مگر اب ایک نئی شراکت دار آگئی تھی، ان کی مما کے حق پر ڈاکا ڈالنے اور ان بہنوں کی محبت بانٹنے۔

ازنا کے دل میں حاجرہ کے لیے نفرت سلگ اٹھی تھی۔ اس نے کھونٹے والی نظروں سے زونا کش کے چہرے کی طرف دیکھا تاکہ اس کے چہرے کے تاثرات سے دل کی کیفیت جان سکے مگر وہاں تو گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔  
 عارفہ نے بدر الدین کے بازو پر بندھا نام ضامن کھولا اور دوسری طرف دادی نے حاجرہ کے بازو کا امام ضامن اتارا۔  
 بھابی، عافیہ اور رانی نے نل کر قصیدہ پڑھا اور اس کے بعد ڈی جے نے دھیم، دھیم، میوزک آن کر دیا۔  
 دولہا، دہن کے ساتھ عارفہ بیچہ اور حاجرہ کی دادی نے اسٹیج پر ہی کھانا کھایا جبکہ عائشہ، بیچہ، زونا کش، ازانہ، فیصل بیچہ اور عارفہ و شبنم نے وی آئی بی ٹی ٹیبل پر ڈنکا کیا۔  
 وینٹر کے ساتھ عافیہ، رانی، بھابی اور شاکر بھائی سمیت سبھی بار بار سب کی ٹیبلوں پر جا کر پوچھ رہے تھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔  
 سچ تو یہ تھا کہ بدر الدین سمیت تمام باراتی حاجرہ کے گھرانے کے حبن اخلاق سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد سلائی کا مرحلہ طے ہوا تو سب نے باری، باری دولہا، دہن کے ساتھ فوٹوز بنوائیں۔

پاپا نے پیار سے زونا کش اور ازانہ کو بلا کر پاس بٹھایا تو وہ منع نہ کر سکیں اور انہیں بھی سب کے ساتھ چہرے پر بھاری مسکراہٹ سجا کر بچہ زونا کش بنوائی پڑیں۔  
 ان سارے مراحل کے فوراً بعد حاجرہ کی رخصتی کی تیاریاں ہونے لگیں کیونکہ دادی اور امی نے دودھ پائی، جوتا پہنائی اور آرسی مصحف جیسی فضول رسومات سے منع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا ان رسومات سے اکثر دونوں طرف سے گھراؤں کے دلوں میں گر ہیں پڑ جاتی ہیں اور کدورتیں جنم لیتی ہیں اس لیے ایسی فضول رسومات کا کوئی فائدہ ہے اور نہ اسلام کی رو سے یہ جائز ہیں، اس لیے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے اور سب نے دادی اور امی کے فیصلے کو ذوق سے تسلیم کیا تھا۔

☆ ☆ ☆  
 آسیہ بی نے جلدی سے اپنا کام منٹایا اور باہر چلی آئیں جہاں گیلری میں ممتاز ان کی پہلے ہی منتظر تھی۔ بغیر کچھ کے آسیہ نے پانچ ہزار کے ڈھوٹ منٹاز کی کھٹی میں دبائے، چہرے پر نقاب ڈالے جس راستے سے اندر داخل ہوئی تھیں، اسی سے باہر چلی گئیں جہاں وہی عکسی ان کی منتظر تھی جو انہیں یہاں تک لے کر آئی تھی کیونکہ یہ عکسی انہوں نے آنے اور جانے دونوں کے لیے بک کر رکھی تھی۔

☆ ☆ ☆  
 امجد صاحب ابھی آفس سے گھر آئے تھے اور اپنے بیڈ روم میں ہی کھانے کے منتظر تھے جو شانہ ٹرے میں سجا کر لارہی تھیں۔  
 ”اے گڈو کے ابا، اب تو ہم غریب نہیں رہے بلکہ ہمارے گھر میں بھی ڈے ٹک ٹیکل (ڈائٹنگ ٹیکل) آگئی ہے، برقم اب بھی غریبوں کی طرح اپنے بیڈ پر آلتی پالتی مار کے بیٹیں کھانا کھاتے ہو۔ ارے اب تو اپنی عادتیں بدل ڈالو، کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔“ شانہ نے کھانے کی ٹوے شوہر کے سامنے جاتے ہوئے کہا۔  
 ”بھئی دیکھو، انسان چاہے جتنا بھی امیر ہو جائے، اپنی اوقات کبھی نہیں بھولی چاہیے اور میں تو ویسے بھی بہت سادہ مزاج بندہ ہوں۔ مجھے تو اپنی پرانی عادتیں، پرانے طور طریقے اور پرانی بیوی تک پسند ہے۔“  
 ”اے ہٹا بھی، یہ بھلا کون سا وقت ہے ایسے ہی مذاق اور چوچلوں کا۔“ شانہ نے لپکا کر رہ گئیں۔  
 ”سب لوگ کہاں ہیں اور گھر میں اس قدر سناٹا کیوں ہے؟“ انہوں نے غیر معمولی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”دونوں بچوں کو کوثر یارک لے گئی ہے، آسیہ آپا کچھ دیر پہلے کسی ضروری کام سے نکلی ہیں اور مہرما کی کسی اسکول کی فرینڈ کی برتھ ڈے ٹھی تو وہ وہاں گئی ہے،“ شانہ نے تفصیل بتائی۔  
 ”ہوں۔“ امجد نوالہ توڑتے ہوئے رک کر کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔  
 ”یہ آپا کواں وقت کیا ضروری کام یاد آگیا؟ اور مہرما کیلی گئی ہے یا کسی کے ساتھ؟“ انہوں نے دوبارہ سوال کیا۔  
 ”آپا نے اپنے لیے کچھ شاپنگ کرنی تھی تو اس لیے وہ ڈراما ریٹ تک گئی ہیں۔“ منائی نے تھوک نکل کر منائی سے جھوٹ گھڑا۔ ”اور مہرما کو اس کی سہیلی پک کرنے خود آئی تھی اور واپسی پر بھی وہی ڈراما کرے گی۔“  
 منائی نے تپا تو ماموں مطمئن سے ہو کر کھانا کھانے لگے۔  
 ”اے گڈو کے ابا! تم فیصل بھائی کے آفس گئے تھے کیا؟ میں تو کہتی ہوں دو حرف بھیجواں دو لکے کی نوکری پر اور فیصل میاں کے پاس ہی لگ جاؤ کسی کام پر۔ اتنی اچھی آفر کر رہے ہیں وہ، جاب کے ساتھ گاڑی اور گھر کی





ماہر حسین خان ایڈووکیٹ میموریل آرگنائزیشن حاصل پور کے زیر اہتمام تیسرا سالانہ آل پاکستان الوکیل کتاب ایوارڈ حاصل پور 2024 باروم نیو جوڈیشل کیلیکس حاصل پور میں منعقد ہوا۔ میڈم سعدیہ ہاشم ایڈووکیٹ سرگودھا معروف شاعرہ، نثر نگار نے مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ چیئر مین محمد خضر حیات خان ایڈووکیٹ نے اپنا شعری مجموعہ ”جنتو عین کی“ پیش کی اور الوکیل کتاب ایوارڈ سے نوازا۔ ملک پاکستان سے آئے ہوئے مصنفین میں ایوارڈ تقسیم کیے۔

”ہاں..... تو یوں کہتاں کہ بلیک منی کو وائٹ کسی بہانے ہی کرو گے۔“ ممانی اپنے تئیں دور کی کوڑی لائیں۔  
 ”اور اس کے لیے تمہاری جاب اس قسم کی ہونی چاہیے کہ تم بتا سکو کہ یہ سب اس جاب سے آیا ہے..... ہے ناں؟“  
 ان کے پوچھنے پر امجد صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔  
 ”تو پھر تو تمہیں فوراً فیصل میاں کے ہاں جاب کر لینی چاہیے۔ پر اپنی بی خرید و فروخت میں تو خوب کمائی ہے۔“ ممانی نے مشورہ دیا۔  
 ”ہاں، سوچتا ہوں مگر ملازمت نہیں، ان کے ساتھ پارٹنرشپ کے حوالے سے کام کرنے کی بات کروں گا۔“  
 ”پارٹنرشپ.....؟“ ممانی نے حیرت سے آنکھیں پھیلایں۔  
 ”ہاں..... تو تم نے کیا سمجھ لیا ہے اسے سرتاج کو..... کوئی ٹٹ پوچھنا ہوں؟“ امجد میاں نے اپنی بیٹی کی نمائش لگائی تو شاہانہ کیوں پیچھے رہیں، وہ بھی ہنس گئیں۔  
 ”تم بھی ناں ہنس..... اچھا سنو، گڈو کے ابا..... مجھے لگتا ہے فیصل میاں اپنی آسیہ باجی کو پسند کرتے ہیں۔“  
 ممانی نے اپنے تئیں ماموں کو سر پر اتر دیا تھا مگر وہ نارل رہے۔  
 ”تو کرنے دو، یہ ان کا مسئلہ ہے، ہمارا مسئلہ تو اس وقت شروع ہوگا جب آسیہ آپا انہیں پسند کرنے لگیں گی۔“  
 امجد میاں نے بے پروائی سے کہا۔  
 ”میرے خیال سے تو اگر آسیہ آپا انہیں پسند کر لیں تو ہمارا مسئلہ شروع نہیں ہوگا بلکہ مسائل ہی ختم ہو جائیں گے۔ وہ بھی تو بدرالدین کی نگر کے امیر ہیں۔ ہم آسیہ آپا کے نام کافی کچھ لکھا سکتے ہیں، ان کی بھی خاصی جائداد ہے اور وہ بھی دیں گے۔ اب آسیہ آپا کی اور ہماری کوئی چیز دو ٹھوڑی نہ ہیں۔“  
 شاہانہ نے حسب عادت آنکھیں نیچائیں تو امجد خاموش ہو کر سوچنے لگے۔

بھی۔“ ممانی نے کہا۔  
 ”میاں تھاس کے پاس بھی..... عجیب چکر باز سا آدمی لگا مجھے وہ۔“ ماموں نے نوالا لٹکتے ہوئے کہا۔  
 ”ہائے نہیں، مجھے تو خاصا مستول دکھائی دیا تھا وہ۔ اتنا امیر بھی ہے۔“ ممانی نے بے ساختہ کہا تو امجد ہنس پڑے۔  
 ”اچھا تو کیا کوئی امیر آدمی چکر باز نہیں ہو سکتا؟ بلکہ انہی چکر بازیوں کی بدولت تو امیر ہوتے ہیں۔“ ماموں کو یکدم کے بھولپن پر ہنسی آرہی تھی۔  
 ”اور تم صرف چودہ مرے گھر اور ایک تیرہ سو سی سی کار کی آفر پر اتنی خوش ہو رہی ہو، بس چند دن کی بات اور ہے، تمہو امیر کر لو تو ایک دن میں تمہیں بی ایم ڈبلیو سیون یا Audi میں بٹھا کر سیر کراؤں گا..... اور رہ گئی مگر کی بات تو چودہ مرے کی کیا اوقات، میں تمہیں کم از کم ڈیڑھ کنال کا گھر بنا کے دوں گا جہاں لان میں تم سارے اپنے من پسند پھولوں کے پودوں کو پانی دیا کرتا۔“ ماموں خیالوں میں خود کو کوئی سیٹھ ٹائپ چیز سمجھ رہے تھے۔  
 ”کوئی، میں کیوں خود دیا کروں گی پودوں کو پانی بھلا، جب تم اتنے رئیس ہو گے تو مالی نہیں رکھو گے کیا؟“ ممانی خفگی سے بولیں۔  
 ”ہاں، ہاں..... رکھ لوں گا مالی بھی، ایک نہیں دو رکھ لوں گا۔ تم بے شک پانی نہ دیا کرنا پودوں کو۔ آخر وہ دو مالی کس لیے ہوں گے، وہی کریں گے سب۔“ ماموں نے شوشی سے کہا۔  
 ”تو پھر میں کیا کروں گی؟“ ممانی نے نیا مسئلہ اٹھایا۔  
 ”اوری میری بیگلو..... تم بس سب پر حکم چلاؤ اور ہمیں کرنا اور تمہیں کیا کرتا ہے میری جان۔“ ماموں نے ممانی کی ٹھوڑی چموتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ لپکے رہ گئیں۔  
 ”ہٹو بھی، جب دیکھو حیدر مراد بنے رہتے ہو۔“ ممانی نے مصنوعی خفگی سے کہا۔  
 ”جوایا ماموں نے تہمت لگائی اور کھانے کی ٹرے ایک طرف کھکا دی۔  
 ”تو تم بھی دیکھنا یا شیم آرائین جایا کرو ناں۔“ ماموں نے شوشی سے کہا۔  
 ”اچھا یہ سب چھوڑو..... گڈو کے ابا، یہ بتاؤ ہمیں اتنا بہت سارا امیر ہونے میں اور کتنا عرصہ لگے گا؟“ ممانی کا ذہن ابھی تک بی ایم ڈبلیو اور ڈیڑھ کنال کی کوٹھی میں اٹکا ہوا تھا۔  
 ”اگر میں چاہوں تو اگلے ہفتے ہی یہ سب کروں مگر پھر آسیہ آپا، بدرالدین اور بہت سے لوگوں کا ماتھا ٹھنک جائے گا کہ ہماری اچانک سے ایسی کا یا کلیپ کیسے ہو گئی۔ سب سوچیں گے کہ امجد کی آخر ایسی کون سی لائری کھل گئی کہ جس کے ساتھ ہی قسمت کا تالا بھی کھل گیا۔ خواہ خواہ سب کا شک جائے گا کہ یہ اپنی بہن کے روپے پیسے اور جائداد میں کوئی دو نمبری کر رہا ہے جو یک دم اس کے حالات بدل گئے تو بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ سمجھ رہی ہوناں تم میری بات؟“ انہوں نے گم سم ہوئی ٹیک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو بڑے دھیان سے ساری گفتگو سن رہی تھیں۔  
 ”ہاں ٹھیک ہے، سمجھ گئی۔“ حنہ شاہانہ نے سر ہلایا۔  
 ”میں آپا کے پلازے کا حساب کتاب دیکھتا ہوں اور اب میں نے اس حساب کتاب سے استخراج کر لیا ہے کہ میں خود اپنا پلازہ خرید لوں۔ جلد ہی ایک پلازہ لے بھی رہا ہوں، چھوٹا ہے مگر تین منزلہ ہے، مرے کی بات یہ ہے کہ اس کی دکانیں کرایے پر لگی ہوئی ہیں پہلے سے ہی۔“  
 ”چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ ممانی کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔  
 ”ہاں بس یہ تو ایک چھوٹا سا پراجیکٹ ہے، اس کے علاوہ بھی کئی جگہ ہاتھ پاؤں پھیلانے ہوئے ہیں مگر ان سب کی آمدنی ایک دم تو منظر عام پر نہیں لاسکتا۔ دھیرے دھیرے ہی ہوگا سب۔“ ماموں نے تفصیل بتائی۔



میں تو صرف بیٹھ کر مٹاتی اور کراتی رہی ہوں۔“ ممانے کہا تو مرحا کچھ مطمئن سی نظر آنے لگی۔  
 ”چلیں ٹھیک ہے، میں پھر فریش ہوتی ہوں۔“ مرحا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

عرشان کی امی کو جب عرشان کی زبانی معلوم ہوا کہ اس کا بچپن کا دوست طلال ان دنوں پاکستان آیا ہوا ہے اور وہ اپنے بزنس میں عرشان کو بھی ساتھ شامل کر رہا ہے تو انہوں نے اس سے کہا کہ وہ طلال کو ہوٹل سے گھر ہی لے آئے۔

”جب گھر میں ایک چھوٹا سا اسٹوڈیو پورشن رہائش کے لیے خالی ہے تو پھر طلال کسی ہوٹل یا ہاسٹل میں کیوں رہے..... گھر آجائے گا تو تم دونوں دوستوں کو بزنس پلاننگ اور میئننگ کے لیے باہر نہیں بلانا پڑے گا اور گھر میں بھی رونق رہے گی۔“

عرشمان کو اپنی والدہ کا یہ مشورہ بے حد پسند آیا اور وہ اصرار کر کے طلال کو اس کے مختصر سامان سمیت گھر لے آیا تھا۔

☆☆☆

عارف کو اس موقع پر جانے کیوں مرزا بہت یاد آ رہی تھی۔  
 زونا نکشہ اور ازنا کو ایک کونے میں الگ تھک کر بیٹھے دیکھ کر اسے مرزا کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ شاید وہ یہاں  
 ہوتی تو اپنی بہنوں کو سلی دیتی اور ان کا حوصلہ بڑھاتی کیونکہ مرزا شاید ان دونوں سے زیادہ بہادر ہے اور معاملات کو  
 زیادہ بہتر طریقے سے ڈیل کر لیتی ہے۔

اب جانے مرحا واقعی ایسی بھی یا نہیں مگر عارف اسے ان دونوں بہنوں سے زیادہ باہمت سمجھتا تھا اور جیسی دو تین بار شادی ہال سے باہر نکل کر اسے کال کرنے کی کوشش بھی کی تھی تاکہ وہ مرحا کی بات زو تا نشہ اور اڑنا سے کروا سکے اور وہ انہیں حوصلہ دے مگر مرحا جانے کہاں مصروف تھی کہ اس نے عارف کی کال ہی پک نہیں کی۔

☆☆☆

”ایک نیک عورت شرت کے ٹوٹے ہوئے بیٹوں سے لے کر ٹوٹے ہوئے دلوں تک کو جوڑنے کا ہنر جانتی ہے۔ وہ پیدا کی طرز پر جراح ہوتی ہے اور ناسور بننے زخموں اور پھوڑوں سے سارا اگندہ مواد نکال کر انہیں مندل کرنا اسے آتا ہے، وہ فطرتاً ایک آرٹسٹ بھی ہوتی ہے اور اسے اپنے آنسو چھپا کر روتوں کو ہنسانے کا فن بھی آتا ہے اور درد چھپا کر مسکراتا بھی..... وہ اگر چاہے تو کوڑے کے ڈھیر پر بھول کھلا سکتی ہے اور اگر نہ چاہے تو اچھے بھلے بھولوں سے مہکتے گلشن کو دیرانے میں بدل دیتی ہے..... اور حاجرہ، میری بیٹی..... ہمیں اپنی تربیت اور تیری نیک فطرت پر پورا بھروسہ ہے کہ تو اللہ پاک کے حکم سے اپنی صلاحیتوں کی بدولت اپنے گھر کو جنت بنا دے گی۔ میری دعا ہے کہ تو ہمیشہ خوش و خرم رہے..... بی بی فاطمہؑ کے صدقے تیرے بخت کا ستارا ہمیشہ روشن رہے۔“ دادی نے سسپکاتے آہوں میں رولی ہوئی حاجرہ کا چہرہ تمام کر اس کی پیشانی چومی اور اپنے آنسو پونچھتیں ایک طرف ہٹ گئیں اور امی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

”وَدُمْتُ مِثْرِي بِحَبِي، اللہ تیرا نکمہاں ہو، سب کا خیال ضرور رکھنا مگر اپنی ذات کو کبھی نظر انداز مت کرنا اور اپنا بھی خیال رکھنا کیونکہ اگر تو صحت مند اور جاق و چوبند ہے تو بھی اپنے خوابوں کو تعبیر کا رنگ دے سکے گی، اس لیے سب سے پہلے اپنا اور اپنی صحت و تندرستی کا خیال ضرور رکھنا۔ اللہ پاک تجھے ایسی خوشیوں بھری زندگی کے ساتھ سدا سا ہمکن رکھے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔“

ای اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ایک طرف ہو گئیں تو عافیہ آ کر جاجرہ سے لپٹ گئی۔

”آپ کو بہت مس کروں گی حاجرہ آپا..... جلدی، جلدی میکے آتی رہے گا۔“ وہ روتے ہوئے بولی تو بھابی

”اچھا خیر، ابھی تو میں کچھ دیر کے لیے آنکھیں موندنا چاہتا ہوں، بعد کی باتیں پھر بعد میں دیکھی جائیں گی۔“  
 امجد یاموں نے بجائی لیتے ہوئے کہا تو ممانی کے چہرے پر ہنسی اڑی سی چھا گئی۔ ابھی تو انہیں باتوں میں مزہ آئے تھا  
 تھا اور ممانی جی تیندے کے ہنڈولے میں جمو لے کر تیار کرنے لگے۔

☆☆☆

اپنی خفیہ مہم سرانجام دینے کے بعد آسیہ بی وقت سے کمر لوٹ آئی تھیں جہاں بھادرج ان کا کارنامہ سننے کے لیے پہلے سے بے تاب تھیں۔

آئیہ بھی سب کچھ بتانے کے لیے بہت بے چین ہو رہی تھیں، سو سر کشتیوں میں بدرستین کے اندر داخل ہونے سے لکر باہر آنے تک کا سارا حال کہہ سنا تو شاہانہ نے آئیہ کی جرأت مندی پر ان کے لیے دو صغیہ کلمات کہے جس سے آئیہ کی خوش ہو گئیں اور اپنی ہموار کاشمیری ادا کیا جو ان معاملات میں آئیہ کی رازدار بن چکی تھیں۔

اسی اثنا میں مہرہا کی سہیلی افراس نے اسے گھر ڈراپ کر دیا تھا۔ وہ امی اور ممانی سے ملنے کھر کے اندر بھی آئی مگر اصرار کے باوجود جائے بانی کے لیے زیادہ رک نہیں اور جلد ہی وہ اپن چلی گئی۔

”کیسی رعبی تمہاری سبیلی کی سالگرہ؟“ انتظام تو اچھا تھا ناں، انجوائے تو کیا ہو گا تم نے؟“ ممبائی نے انفرارح کے  
ماتے ہی اک ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے۔

”سائل کو کیسی ہوتی ہے ممانی؟ ظاہر ہے کہ انتظام بھی اچھا تھا اور انجوائے بھی خوب کیا۔“ مرحمانے ایک ساتھ ہی ممانی کے تمام سوالوں کے جوابات نمٹا دیے۔

”میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اس سال مئی اور گزشتہ سالگرہ بڑی دھوم دھام سے کروں۔“ مہمانی نے کہا۔  
 ”ہاں۔۔۔۔۔ آپ تو ہیں ہی پوری کاپی کیٹ۔۔۔۔۔ اور کسی نے کچھ کیا نہیں کہ آئیڈیا آپ نے لیا نہیں۔ اب  
 سالگرہ کا دن لیا تو فوراً آپوں کی ہی سالگرہ منانے کی سوچ گئی۔“ مرزا کا دل کیا کہ مہمانی کے منہ پر کہہ دے مگر صرف  
 دھج کر رہ گئی اور بظاہر مسکرا کر بولی۔

”ہاں بالکل..... کیوں نہیں، ضرور منائیں گے۔“ پھر روئے سخن مہما کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

”مہم، آپ کیوں اتنی تسکینی ہوئی سی لگ رہی ہیں جیسے کوئی پہاڑی چوٹی سر کر لی ہو۔ طبیعت کو تھیک ہے آپ؟“ مہر جانے پاس آکر ہاں کی پیشانی کی کچھو کچھ

”پھاڑ کی چوٹی جیسی مہم بھی تو خسر کی ہے آج..... سبھی ہوئی تو ضرور ہوں گی۔“ ممالی نے اس کرمی حیرت بھری نظر سے کہا تو مرزا چوکی اٹھی اور آئیہ بھی ہڑ بڑا کر شاہانہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

۔ ”کیا مطلب؟“ مرحانے پوچھا۔

”اوہو..... میرا مطلب آج میرے منع کرنے کے باوجود آپ نے مجن کی الماریوں سے لے کر اپنے کمرے کی ساری الماریوں کی صفائی کرائی ہے تو تسکینی ہوئی تو ضرور ہوں گی۔“ ممانی نے بات بتائی۔

”ہائے نما، کیوں کیا آپ نے یہ سب؟ میں خود کل کرا لیتی ماری حقانیاں، مانتی خود کو تھکایا آپ نے، چلیں مدر چل کر نہیں، میں دہا دیتی ہوں آپ کو۔“ مرخانے ماما کے گلے میں بازو دھا ل کرتے ہوئے پیار سے کہا تو آسہ کو لپکا اپنی بیٹی کی فرما پر داری پر بہت پیارا یاد اور انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”تم اندر چل کر پہلے یہ فنیسی ڈریس پہنچ کر لو اور فریش ہو جاؤ..... تب تک میں بھی آجاتی ہوں۔ بس ذرا برائے کی ہینڈ لائنز نلوں۔ ویسے میں تھکی ہوئی نہیں ہوں بالکل بھی۔ سارا کام تو دونوں ملازماؤں نے کیا ہے،



نے عافیہ کو پیار کر کے ایک طرف ہٹا دیا اور خود آگے بڑھ کر حاجرہ کو گلے لگا لیا۔  
 ”تم ایک نئے گھر کی، اپنی خوشیوں کی اور نئی زندگی کی بنیاد رکھتے جا رہی ہو تو خوشی، خوشی جاؤ اور ہنسی خوشی۔  
 بسم اللہ کرو۔ اتنا زیادہ رونے دھونے سے تو سارا میک اپ بھی بگڑ کر رہ جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ بدر الدین جلدی عروسی میں  
 داخل ہوں تو تمہیں خراب میک اپ میں دیکھ کر ڈر کے مارے ان کی ٹھکی بندھ جائے۔“ بھابی کے اس طرح کہنے پر  
 حاجرہ روتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

رائی تو حاجرہ سے ملنے ہی زور سے رونے اور پچھاڑیں کھانے لگی تھی، سب کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا  
 تھا مگر سب اسے چپ کرانے میں لگے ہوئے تھے۔

سب سے آخر میں شا کر بھائی آگے بڑھے اور حاجرہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔  
 ”حاجرہ، کہنے کو تو تم میری ہمشیرہ ہو مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیٹی کی طرح ہی سمجھا ہے اور عزت پر دیکھا  
 ہے اور آج ایک باپ کی طرح ہی دل پر پتھر رکھ کر آل رسول ﷺ کی روایات کی پابندی اور سنت رسول ﷺ پر عمل  
 کرتے ہوئے اپنی بے شمار دعاؤں کے حصار میں تمہیں تمہارے جیون ساتھی کے ہمراہ رخصت کر رہا ہوں۔ امید  
 ہے کہ تم بدر الدین صاحب کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو گی۔“ پھر انہوں نے ساتھ کھڑے بدر الدین کے سامنے اپنے  
 دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

”بدر بھائی، میں آج بہن نہیں بلکہ اپنے دل کا ٹکڑا آپ کے حوالے کر رہا ہوں، اس کا خیال رکھیے گا۔“ جواباً  
 بدر الدین نے انہیں گلے لگا لیا اور تسلی دینے لگے۔

اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے شا کر بھائی نے حاجرہ کے سر پر قرآن پاک کا سایہ کیا اور اسے  
 وداع کرنے بدر الدین کی کچی ہوئی کار تک لے آئے۔

بدر الدین نے خود آگے بڑھ کر حاجرہ کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔  
 جابجہ بیگم کی مدد سے حاجرہ اپنا بھاری بھر کم غرارہ اور بڑا سا بیوی کا ہار دو پٹا سنبھالتی سیٹ پر براجمان ہو گئی تو  
 بدر الدین، حاجرہ کے گھڑ والوں سے باری، باری ملنے اور انہیں تسلی دینے لگے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق حاجرہ کا  
 پورا خیال رکھیں گے اور وہ دونوں ملنے کے لیے آتے رہیں گے۔

پھر آخر میں وہ شا کر بھائی سے بٹنگیر ہوئے اور جانے کی اجازت چاہی۔  
 شا کر بھائی سے روادگی کی اجازت لینے کے بعد ان کی محتلاشی نگاہیں زدنا کش اور انا پر آ کر رک گئیں۔  
 ”زونی..... انا.....! بیٹا آپ دونوں ہمارے ساتھ آ جائیں۔“ انہوں نے دونوں بیٹیوں کو پکارا اور خود  
 ڈرائیو تک سنبھال لی۔

پاپا کے نکارنے پر دونوں نہ چاہتے ہوئے بھی نہایت فرمانبرداری سے آکر ان کی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔  
 حاجرہ کے گھروالے گاڑی کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تھے۔  
 بدر الدین نے اپنی اور حاجرہ کی طرف کے شیشے نیچے کیے اور ہاتھ ہلا کر سب کو الوداع کرنے کے ساتھ ایک  
 نظر پیچھے بیٹھی بیٹیوں پر ڈالی اور گاڑی آگے بڑھا دی اور شیشے اوپر چڑھا دیے۔

اس کے ساتھ ہی ایک نئی منزل کی جانب حاجرہ کی زندگی کے نئے سفر کا آغاز ہوا تھا۔  
 اس کی ذات سے وابستہ تمام رشتے ناتے سب پیچھے رہ گئے تھے اور وہ ایک نئے بندھن میں بندھی آگے ہی  
 آگے چلی جا رہی تھی۔

(جاری ہے)